



# مرزا فرحت اللہ بیگ

(۱۸۸۴ء - ۱۹۴۷ء)

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کرنے کے بعد ہندو کالج سے 1905ء میں بی۔ اے پاس کیا۔ 1907ء میں وہ حیدر آباد گئے اور مختلف ملازمتوں پر مامور رہے اور ترقی کرتے کرتے اسٹینٹ ہوم سکریٹری کے عہدے تک پہنچے۔ 1919ء میں انھوں نے اپنا سب سے پہلا مضمون رسالہ ”افادہ“ آگرہ میں لکھا۔ اور 1923ء سے وہ باقاعدہ مضمایں لکھنے لگے۔ انھوں نے تنقید، افسانہ، سوانح حیات، معاشرت اور اخلاق ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا اور اچھا لکھا لیکن ان کے مزاجیہ مضمایں سب سے زیادہ کامیاب ہوئے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمایں سات جلدیوں میں ”مضمایین فرحت“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ نظم کا مجموعہ ”میری شاعری“ کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس میں بھی مزاحیہ رنگ نمایاں ہے۔ ہنسنے اور ہنسانے کا کوئی اصول مقرر نہیں ہو سکتا۔ تمام مزاح نگار اپنا انداز جدار کھتھتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا بھی ایک مخصوص رنگ ہے، جسے عظمت اللہ بیگ نے ”خوش نداتی“ کہا ہے۔ خوش نداتی میں قہقہے کے موقع کم اور تسمیں کے زیادہ ملتے ہیں۔ ان کے یہاں ایسا انبساط ملتا ہے جسے دیر پا کہا جا سکتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے یہاں دلچسپی کے کئی سامان ہیں۔ ان کی مزاح نگاری میں دلی کے روزمرہ اور محاورات کا لطف پایا جاتا ہے۔ وہ اکثر ایسے محاورات اور الفاظ اپنی تحریر میں لاتے ہیں جو دلی کے لوگ گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون ان کی انھیں خصوصیات

کا آئینہ دار ہے۔ اس کی مزید خوبی یہ ہے کہ اس سے تمیں اردو کے ایک بہت بڑے ادیب اور انیسویں صدی کے ہندوستان کے ایک بڑے شخص مولوی نذیر احمد کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو اور کسی طرح نہ معلوم ہو سکیں۔



4914CH06

# نذریاحمد کی کہانی پچھے میری اور پچھے ان کی زبانی

مولوی صاحب کا حلیہ سینے :

رنگ سانوا لامگروکھا، قد خاصاً اونچا۔ مگر چوڑاں نے لمباں کو دبادیا تھا وہ ابدن گدرا، ہی نہیں بلکہ موٹاپے کی طرف کسی قدر مائل۔ فرماتے تھے کہ بچپن میں کسی قدر ورزش کا شوق تھا۔ ورزش چھوڑ دینے سے بدن جس طرح مرموں کا تھیلا ہو جاتا ہے، اس میں کیفیت تھی۔ بھاری بدن کی وجہ سے چونکہ قتلھننا معلوم ہونے لگتا تھا اس لیے اس کا تتملہ اوپھی ترکی ٹوپی سے کردیا جاتا تھا۔ کمر کا پھیر ضرورت سے زیادہ۔ تو نداس قدر بڑھ گئی تھی کہ کمر میں ازار بند باندھنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ تکلیف دہ سمجھا جاتا تھا اور محض ایک گرہ کو کافی خیال کیا جاتا تھا۔ گریوں میں تہم (تہ بند) باندھتے تھے۔ اس کے پلو اڑ سنے کے بجائے ادھر ادھر ڈال لیتے تھے مگر اٹھتے وقت بہت احتیاط کرتے تھے اول تو قطب بنے بیٹھے رہتے تھے۔ اگر اٹھنا ہوا تو پہلے اندازہ کرتے تھے کہ فی الحال اٹھنے کو ملتی کیا جاسکتا ہے کہ نہیں۔ ضرورت نے بہت ہی مجبور کیا تو ازار بند کی گرہ یا تہم کے کونوں کے اڑ سنے کا دباؤ تو ند پر ڈالتے تھے سر بہت بڑا تھا مگر بڑی حد تک اس کی صفائی کا انتظام قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا تھا۔ جو تھوڑے رہے سہے بال تھے وہ اکثر نہایت احتیاط سے صاف کرادیے جاتے تھے ورنہ بالوں کی یہ لگر سفید متفقیش کی صورت میں ٹوپی کے کناروں پر جھال رکا نمونہ ہو جاتی تھی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ذرا اندر کو دھنسی ہوتی تھی بھویں گھنی اور آنکھوں کے اوپر سایہ لگن تھیں۔ آنکھوں میں غصب کی چک تھی وہ چک نہیں جو غصبہ کے وقت نمودار ہوتی ہے بلکہ یہ وہ چک تھی جس میں شوخی اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اگر میں ان کو دمکراتی ہوئی آنکھیں،

کہوں تو بیجا نہ ہو گا کلہ جبڑا بڑا زبردست پایا تھا چونکہ دہانہ بھی بڑا تھا اور پیٹ کے محیط نے سانس کے لیے گنجائش بڑھا دی تھی۔ اس لیے نہایت اوپنی آواز میں بغیر کھینچے، بہت کچھ کہہ جاتے تھے۔ آواز میں گرج تھی مگر لوچ کے ساتھ کوئی دور سے سنے تو یہ سمجھے کہ مولوی صاحب کسی کوڈاںٹ رہے ہیں لیکن پاس بیٹھنے والا بنسی کے مارے لوٹ رہا ہو۔ جوش میں آکر جب آواز بلند کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ تزمیں نج رہا ہے اس لیے بڑے بڑے جلوں پر چھا جاتے تھے ناک کسی قدر چھوٹی تھی اور ننھے بھاری، ایسی ناک کو گنواروں کی اصطلاح میں ’گاجر، اور دلی والوں کی بول چال میں پچھلکی‘ کہا جاتا ہے۔ گومتنانت چھوکرنیں گئی تھیں لیکن جسم کے بوجھ نے رفتار میں خود بہ خود متنانت پیدا کر دی تھی۔ داڑھی بہت چھدری تھی ایک ایک بال آسانی گنا جا سکتا تھا داڑھی کی وضع قدرت نے خود فرشتہ فیشن بنادی تھی۔

انھوں نے اپنے بارے میں بتایا لو بھئی ہم بہت غریب لوگ تھے نہ کھانے کو روٹی نہ پہنچنے کو کپڑا تعلیم کا شوق تھا اس لیے پھرتا پھراتا پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد میں آکر ٹھہر گیا یہاں کے مولوی صاحب بڑے عالم تھے ان سے پڑھتا اور توکل پر گزارہ کرتا۔ مولوی صاحب کے دوچار شاگرد اور بھی تھے انھیں بھی پڑھاتے اور مجھے بھی پڑھاتے دن رات پڑھنے کے سوا کچھ کام نہ تھا تھوڑے سے دنوں میں، میں نے کلام مجید پڑھ کر ادب پڑھنا شروع کیا چار برس میں معلمات پڑھنے لگا گو میری عمر بارہ سال کی تھی مگر قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے نو دس برس کا معلوم ہوتا تھا۔ پڑھنے کے علاوہ میرا کام روٹیاں سمیٹنا تھا۔ صبح ہوئی اور میں چھتری ہاتھ میں لے گھر گھر روٹیاں جمع کرنے نکلا کسی نے رات کی بچی ہوئی دال ہی دے دی کسی نے قیمه کی لگدی ہی رکھ دی کسی نے دو تین سو کھی روٹیوں ہی پڑھایا۔ غرض رنگ برنگ کا کھانا جمع ہو جاتا۔ مسجد کے پاس ہی عبدالخالق صاحب کا مکان تھا اچھے کھاتے پیتے آدمی تھے انھیں کے عییٹ پیٹ عبد الحامد ہیں جو سامنے والے مکان میں رہتے ہیں ان کے ہاں میرا قدم رکھنا مشکل تھا ادھر میں نے دروازے میں قدم رکھا ادھر

ان کی لڑکی نے ٹانگ لی جب تک سیر دوسری مصالحہ مجھ سے نہ پوالیتی نہ گھر سے نکلنے دیتی نہ روٹی کا نکلڑا دیتی۔ خدا جانے کہاں سے محلہ بھر کا مصالحہ اٹھالا تی تھی پیسے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے جہاں میں نے ہاتھ روکا اور اس نے بتہ انگلیوں پر مارا۔ خدا جان سی نکل جاتی تھی۔ میں نے مولوی صاحب سے کئی دفعہ شکایت بھی کی مگر انھوں نے ٹال دیا، خبر نہیں مجھ سے کیا۔ شنمی تھی تاکید کر دیا کرتے تھے کہ عبدالناقہ صاحب کے مکان میں ضرور جانا، بہر حال اس مارا دھاڑی سے روزانہ وہاں جانا پڑتا تھا اور روز یہی مصیبۃ جھیلی پڑتی تھی۔ تم سمجھے بھی یہ لڑکی کون تھی میاں یہ لڑکی وہ تھی جو بعد میں ہماری بیگم صاحبہ ہوئیں۔ جب سوچتا ہوں تو پچھلا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور بے اختیار پنسی آ جاتی ہے۔ اکثر ہم دونوں پہلی باتوں کو یاد کرتے اور خوب ہنتے تھے۔ خدا غریب رحمت کرنے جیسی بچپن میں شری تھیں ویسی ہی جوانی میں غریب ہو گئیں۔

ایک روز جو کشمیری دروازے کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دہلی کا لج میں بڑا ہجوم ہے کا لج وہاں تھا جہاں اب گورنمنٹ اسکول ہے۔ میں بھی بھیڑ میں گھس گیا معلوم ہوا کہ لڑکوں کا امتحان لینے مفتی صدر الدین صاحب آئے ہیں۔ ہم نے کہا چلو ہم بھی چلیں، برآمدے میں پہنچا قدم چھوٹا تھا لوگوں کی ٹانگوں میں سے ہوتا ہوا گھس گھسا کر کمرے کے دروازہ تک پہنچ ہی گیا۔ دیکھا کہ کمرے کے پیچے میز پہنچ ہے۔ اس کے سامنے کرسی پر مفتی صاحب بیٹھے ہیں، ایک لڑکا آتا ہے اس سے سوال کرتے ہیں اور سامنے کاغذ پر کچھ لکھتے جاتے ہیں میز کے دوسرا پہلو کی کرسی پر ایک انگریز بیٹھا ہے یہ مدرسے کے پہلی صاحب تھے، ہم تماشہ میں محو تھے کہ صاحب کسی کام کے لیے اٹھے چڑا سیوں نے راستہ صاف کرنا شروع کیا جو لوگ دروازہ رو کے کھڑے تھے وہ کسی طرح پیچے ہٹتے ہی نہیں تھے چپر اسی زبردستی ڈھکیل رہے تھے غرض اس دھکا پیل میں میراقلیہ ہو گیا، دروازہ کے سامنے سنگ مرمر کا فرش تھا اس پر سے میراپاؤں رپا اور میں دھم سے گرا، اتنی دیر میں پہلی صاحب بھی دروازے تک آ گئے تھے۔ انھوں نے جو مجھے گرتے دیکھا تو دوڑ کر میری طرف

بڑھے، مجھے اٹھایا، پوچھتے رہے کہیں چوت تو نہیں آئی۔ ان کی شفقت آمیز باتیں اب تک میرے دل پر کا نقش فی الجھر ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں پوچھا۔ ”میاں صاحب زادے کیا پڑھتے ہیں؟“ میں نے کہا کہ ”معلقات“۔ ان کو بڑا تجھب ہوا پھر پوچھا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ میری عمر پوچھی، میں نے کہا، ”مجھے کیا معلوم؟“ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بجائے اپنے کام کو جانے کے سیدھا مجھ کو مفتی صاحب کے پاس لے گئے اور کہنے لگے ”مفتی صاحب یہ لڑکا کہتا ہے میں معلقات پڑھتا ہوں۔ ذرا دیکھیسے تو سہی سچ کہتا ہے یا یونہی باتیں بناتا ہے۔“ مفتی صاحب نے کہا۔ ”بولو تو کیا پڑھتا ہے؟“ میں نے کہا ”معلقات“ کہنے لگے کہاں پڑھتا ہے؟“ میں نے کہا پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد میں۔ ”پھر کہا“ معلقات دوں، پڑھے گا“ میں نے کہا ”لائے“ انھوں نے میز پر سے کتاب اٹھائی اور میرے ہاتھ میں دے دی۔ اور کہا ”یہاں سے پڑھ“ جس شعر پر انھوں نے انگلی رکھی تھی وہ معلقات سے عمرو بن گلثوم کا شعر تھا۔ اسے میں نے پڑھا اور معنی بیان کیے۔ انھوں نے ترکیب پوچھی وہ بیان کی مفتی صاحب بہت چکرائے۔ پوچھنے لگے ”تم کوون پڑھاتا ہے؟“ میں نے کہا مسجد کے مولوی صاحب کہا۔ ”مر سے میں پڑھے گا؟“ میں نے جواب دیا ”ضرور پڑھوں گا۔“ مفتی صاحب نے کاغذ اٹھا کر چند سطریں لکھیں اور پنسپل صاحب کو دے کر کہا ”اس کو پریسڈ یونٹ صاحب کے پاس بیش کر دینا۔“ ہم وہاں سے نکل کر اپنے گھر آئے مولوی صاحب سے کچھ نہ کہا۔ کوئی سات آٹھ روز کے بعد کالج کا چپر اسی مولوی صاحب کے پاس ایک کاغذ دے گیا اس میں لکھا تھا کہ نذر احمد کو کالج میں داخل کرنے کی اجازت ہو گئی ہے۔ کل سے آپ اسے کالج میں آنے کی ہدایت کر دیجیے۔ اس کا وظیفہ بھی ہو گیا ہے۔ چپر اسی تو یہ حکم دے چلتا بنا۔ مولوی صاحب نے مجھے بلا یا خط دکھایا اور پوچھا یہ معاملہ کیا ہے میں نے کچھ جواب نہ دیا جب ذرا سختی کی تو تمام واقعہ بیان کیا وہ بہت خوش ہوئے اور دوسرے روز لے جا کر میرا ہاتھ پنسپل صاحب کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس زمانے میں سید احمد خان فارسی کی جماعت میں تھے۔ مُشیٰ ذکاء اللہ حساب کی

جماعت میں اور پیارے لال انگریزی کی جماعت میں پڑھتے تھے، میں عربی کی جماعت میں شریک ہوا۔

میں نے کہا مولوی صاحب آپ کی جماعت کہاں پیٹھتی تھی کہنے لگے پرنسپل صاحب کے کمرے کے بازو میں جو چھوٹا کمرہ ہے اس میں ہماری جماعت تھی۔ دوسراے پہلو میں جو کمرہ ہے اس میں فارسی کی جماعت ”دانی“ نے کہا مولوی صاحب آپ کے اختیاری مضامین کیا تھے؟“ مولوی صاحب بننے اور کہا ”میاں دانی“ ہم پڑھتے تھے آج کل کے طالب علموں کی طرح گھاس نہیں کاٹتے تھے۔ مولوی صاحب اس فقرے کا بہت استعمال کرتے تھے۔ ارے بھتی ایک ہی مضمون کی تکمیل کرنا دشوار ہے۔ آج کل پڑھاتے نہیں لادتے ہیں۔ آج پڑھا کل بھولے۔ تمہاری تعلیم ایسی دیوار ہے جس میں گارے کا بھی روڈا ہے۔ ٹھیکیاں بھی گھسیر دی ہیں۔ مئی بھی ہے پتھر بھی ہے کہیں چونا اور اینٹ بھی ہے ایک دھکا دیا اور اڑاٹ اڑاٹ حرم گرگئی۔ ہم کو اس زمانے میں ایک مضمون پڑھاتے تھے مگر اس میں کامل کردیتے تھے۔ پڑھانے والے بھی ایسے غیرے پچکلیاں نہیں ہوتے تھے۔ ایسے ایسے کو چھانٹا جاتا تھا جن کے سامنے آج کل کے عالمِ محض کاٹھ کے الٰہیں۔

مولوی صاحب کو اپنے ترجمے پر بڑا ناز تھا اور اکثر اس کا ذکر فخر یہ لمحے میں کیا کرتے تھے۔ اردو ادب میں ان کی جن تصنیفات نے دھوم مچا رکھی ہے ان کے نزدیک وہ بہت معمولی تھیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ”میری تمام عمر کا صلمہ کلام مجید کا ترجمہ ہے۔ اس میں مجھے ختنی محنت اٹھانی پڑی ہے اس کا اندازہ کچھ میں ہی کرسکتا ہوں۔ ایک ایک لفظ کے ترجمے میں میرا سارا سارا دن صرف ہو گیا۔ میاں سچ کہنا کیسا محاورہ کی جگہ محاورہ بٹھایا ہے۔“ ہم نے کہا۔ مولوی صاحب بٹھایا نہیں ٹھونسا ہے۔ جہاں یہ فقرہ کہا مولوی صاحب اچھل پڑے۔ بڑے خفا ہوتے اور کہتے ”کل کے لوہنڈو! میرے معاوروں کو غلط بتاتے ہو۔ میاں میری اردو کا سکھ تمام ہندوستان پر بیٹھا ہوا ہے خود لکھو گے تو چیں بول جاؤ گے۔“

مولوی صاحب نے کئی مرتبہ اس عاجز پر بھی فتنی حملے کئے لیکن یہ ذرا ٹیکرے حاصلہ تھا۔ ایک چھوڑ کئی کتابیں مولوی صاحب سے اپنی تھیں کبھی ایک پیسہ نہ دیا۔ نہیں کہ خدا نخواستہ وعدہ کرتا اور قسم نہ دیتا تھا۔ یہ کہ اس وقت تک کتاب لیتا ہی نہ تھا۔ جب تک مولوی صاحب خود نہ فرمادیتے کہ ”اچھا بھی تو یوں ہی لے جا مگر میرا پیچھا چھوڑ دے۔“ میری ترکیب یہ تھی کہ پہلے کتاب پر قبضہ کرتا، مولوی صاحب کتاب کی قیمت مانگنے میں جحت کرتے، وہ جواب دیتے۔ میں اس کا جواب دیتا ریویو کے لیے جو کتابیں آتی تھیں وہ تو ہمارے باپ دادا کا مال تھیں کتابیں تو کتابیں میں نے مولوی صاحب کی ایل ایل ڈی کی گون پر بھی قبضہ کرنے کا فکر کیا تھا۔

حیدر آباد آنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ اس چھکتے ہوئے بلبل نے اس گلشنِ دنیا سے کوچ کیا۔ جب کبھی دبلي جاتا ہوں تو مولوی صاحب کے مکان پر ضرور جاتا ہوں اور قدم نہیں رکھتا مگر باہر بڑی دیری تک دیوار سے لگ کر دروازے کو دیکھتا ہوں اور رہ رہ کر ذوق کا یہ شعر زبان پر آتا ہے۔

یہ چمن یونہی رہے گا اور سارے جانور

اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

اللہ بس باقی ہوں

مرزا فرحت اللہ بیگ

## مشق

لفظ و معنی

حلیہ : شکل، صورت

**تکملہ** : قطب بنے بیٹھے رہتے

اولیاء اللہ میں کچھ لوگ 'قطب' کے درجے پر ہوئے ہیں۔

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی جگہ یعنی اپنے گھر

سے کہیں باہر نہیں جاتے۔ اسی لیے فارسی میں کہاوت ہے

'قطب از جانی جند' (قطب اپنی جگہ سے نہیں ہلتا)

**مرمرہ** : ہٹنے ہوئے چاول

**مقیش** : سونے چاندی کے تار

**سایہ ڈالنے والا** : سایہ ڈالنے والا

**نمودار** : ظاہر، نمایاں

**شوخی** : چلپلا پن

**ذہانت** : دماغ کی تیزی، ذہن

**محیط** : پھیلاؤ، احاطہ کیا ہوا

کسی علمی یا فنی شعبے کا کوئی لفظ جسے عام معنوں کے علاوہ خاص

معنوں میں استعمال کیا گیا ہو۔

**متانت** : سنجیدگی، وقار، بھاری پن

**وضع** : ڈھنگ

**توگل** : خدا پر بھروسہ کرنا

معلق کی جمع، کہا جاتا ہے کہ قدیم عرب میں طریقہ تھا کہ ہر

سال کی شاعری کے سب سے اچھے نمونوں کو خانہ کعبہ کے

دروازے پر آؤزیں اکر دیا جاتا تھا۔ ان نمونوں کو جو قصیدے کی

ہیئت میں ہوتی تھیں 'معلقات' (لٹکائی ہوئی) کہا جاتا ہے۔ ان

کی تعداد سات بتائی گئی ہے۔

عمر و بن کلثوم : عربی کا مشہور شاعر، عمرہ میں عین پر زبر اور میم پر جزم ہے اور و اونیس پڑھا جاتا۔ یعنی ”عمرہ“ کو Amr پڑھیے

کال نقش فی الحجر (عربی) : پھر پر بنائے ہوئے نقش کی طرح، لہذا جو بات کبھی بھلا کی نہ جاسکے۔

چھپکیاں : مختلف رنگوں سے رنگا ہوا (وہ جانور جس کے چاروں پیروں اور ماٹھا سفید ہو)

جھجٹ : دلیل، بحث

ریویو (انگریزی) : تبصرہ (Review)

## غور کرنے کی بات

- اس مضمون میں نذری احمد کی شکل، صورت، وضع قطع اور حلیہ کو بڑے دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ نذری احمد نے تعلیم کس قدر مشقتوں سے حاصل کی۔
- مضمون میں نذری احمد کے زمانے کی معیاری اور مفید تعلیم کے مختلف پہلوؤں کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

## سوالوں کے جواب لکھیے

1. نذری احمد کی شخصیت کے دلچسپ پہلوؤں کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔
2. نذری احمد نے اپنے بھپن کے کن واقعات کو لطف لے کر بیان کیا ہے؟ بتائیے۔
3. نذری احمد کے ساتھ پڑھنے والوں میں کون کون سے ادیب شامل تھے؟

4. نذری احمد نے آج کل کی تعلیم کی کون کون سی خامیاں بتائی ہیں؟

## عملی کام

اس سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور بتائیے کہ آپ کونڈری احمد کی کون سی باتیں سب سے اچھی لگی ہیں۔

- سبق میں جہاں مزاجیہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی نشاندہی کیجیے۔

- سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

- اس سبق میں جو محاورے استعمال ہوئے ہیں انہیں تلاش کر کے لکھیے۔